محمد اسحاق بھٹی

فتاویٰ حمّادیہ

گجرات (کاٹھیاواڑ) کا ایک فقہی مخطوطہ

(آخری قسط)

فتاویٰ حمادیہ کے اہم مضامین میں سے ایک حصہ "کتاب الشہادات" کے عنوان سے، شہادت اور گواہی کے متعلق ہے، جو ۲۸ اوراق پر مشتمل ہے اور اوراق ۲۱۸ سے شروع ہو کر ۲۴۵ تک چلا گیا ہے۔ اس میں اس موضوع کے بارے میں بہت سی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

اختلافِ شہادت

کتاب الشہادات میں اس بات پر بھی بحث کی گئی ہے کہ کسی معاملہ میں دو گواہوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اُن کی شہادت قابلِ قبول اور لائقِ اعتبار سمجھی جائے گی یا نہیں؟

مصنف لکھتے ہیں۔ اگر بیع، شرا، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت، رہن، قرض اور کفالت کے متعلق دو گواہ عدالت میں گواہی دینے آئیں اور دونوں گواہ وقت اور جگہ کے بارے میں مختلف بیان دیں۔ (مثلاً ایک گواہ کہتا ہے، یہ بیع شام کے وقت ہوئی اور فلاں جگہ ہوئی۔ دوسرا کہتا ہے، دوپہر کے وقت ہوئی اور فلاں جگہ ہوئی) تو شہادت قبول کی جائے گی اور اس اختلاف سے شہادت متاثر نہ ہوگی۔ لیکن اگر شہادت کا تعلق جنایت، غصب، قتل، اور نکاح کے معاملات سے ہو تو گواہوں کا یہ اختلاف، شہادت پر اثر انداز ہوگا اور شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔

مصنف مزید کہتے ہیں۔ اگر مشہود بہ (جس چیز کے متعلق گواہی دی گئی) کا تعلق قول سے ہے مثلاً بیع و شرا وغیرہ سے تو اس میں زمان و مکان کے بارے میں دو گواہوں کا اختلاف، شہادت کی قبولیت میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا اور اگر مشہود بہ کا تعلق عمل و فعل (یعنی اقدام) سے ہے مثلاً غصب و قتل وغیرہ

سے ہے تو اس میں گواہوں کے درمیان زمان ومکان کا اختلاف شہادت پر اثر ڈالے گا اور اسے قابلِ قبول نہیں رہنے دے گا۔

مصنّف اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، نکاح ایسی چیز ہے، جس کا تعلق قول سے بھی ہے اور عمل وفعل سے بھی۔ اس میں اگر گواہ وقت اور جگہ کے تعین میں مختلف بیان دیں گے تو ان کی شہادت مسترد کر دی جائے گی۔

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے مصنّف رقم طراز ہیں اگر بیع، صدقہ اور رہن کے مال پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں گواہ مختلف بیان دیں اور تاریخ اور شہر کے تعیّن میں متفق اللسان نہ ہوں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ان کی شہادت قبول کی جائے گی، لیکن امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں۔ یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی مصنّف کہتے ہیں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شہادت قبول نہ کی جائے۔[1]

بات اصل میں یہ ہے کہ بیع وشرا اور رہن وہبہ کا معاملہ، فوجداری مقدمات یعنی قتل وراہزنی اور غصب ونہب سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ بیع وشرا اور رہن وہبہ وغیرہ یعنی دیوانی معاملات کا سلسلہ عام طور پر جاری رہتا ہے اور بعض دفعہ ایک ہی شخص کو اس قسم کے کئی معاملات میں گواہ بنا لیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تاریخ، وقت اور مقام کے بارے میں تھوڑے بہت سہو ونسیان کے امکانات گواہ کے لیے بہرحال باقی رہتے ہیں۔ لیکن قتل وغارت، لوٹ مار اور نکاح کے سلسلے روز روز پیش نہیں آتے، لہٰذا اس ضمن میں گواہ کو بہت ہی محتاط رہنے اور معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ذہن میں محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس میں گواہ کو نہ کسی لغزش کا ارتکاب کرنا چاہیے اور نہ سہو ونسیان کا شکار ہونا چاہیے۔ اس نوعیت کے مقدمات انتہائی اہمیت اور نزاکت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر گواہ ان میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے اور صحیح مقام سے کھسک جائیں گے تو مقدمے کا رُخ پلٹ جائے گا۔ شکوک وشبہات کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کا فائدہ ملزم کو پہنچے گا۔

غلط کردار شخص کی شہادت

شہادت کے باب میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاسق وفاجر اور غلط کردار اور مشکوک چال چلن

---

[1] ورق ۲۱۸

ئے شخص کی شہادت قابلِ اعتماد ہوگی یا نہیں ؟ اور اگر وہ تائب ہو جائے اور غلط و ناروا افعال و عادات کا ارتکاب ترک کر دے تو اس کی شہادت کی کیا حیثیت ہوگی ؟

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے اس ضمن میں مصنف لکھتے ہیں غلط اور مشکوک کردار کے آدمی کی شہادت قابلِ وقعت نہ ہوگی اور اس کا فسق و فجور اس کی بات کو قابلِ اعتماد نہ رہنے دے گا۔ اور اگر وہ توبہ کر لے، جب بھی صرف "توبہ" کا لفظ زبان سے ادا کر دینا کافی نہیں محض یہ لفظ اس کی شہادت کو قابلِ اعتبار نہیں ٹھہراتا، جب تک کہ اس کا عملی ثبوت مہیا نہ ہو جائے اور وہ روزمرہ کی زندگی کو اس سانچے میں نہ ڈھال لے کہ معاشرہ میں اس کا اعتماد بحال ہو جائے، فسق و فجور کے تمام دھبے اس کے دامن سے دھل جائیں اور وہ معاشرہ کے باوقار اور معزز فرد کی حیثیت سے متعارف ہو جائے ــــ بعض فقہانے اس کی مدت کم از کم چھ ماہ رکھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ چھ ماہ کی مدت میں کذب وافترا اور فسق و فجور کو ترک کر کے بہتر اور صاف ستھری زندگی بسر کرنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی شہادت قابلِ قبول ہوگی ورنہ نہیں بعض کہتے ہیں اس کا فیصلہ خود قاضی کرے گا کہ اس کی شہادت قبول کی جائے یا نہ کی جائے - جب وہ قاضی کی عدالت میں شہادت کے لیے پیش ہو، اس کے بارے میں قاضی کو تمام حقائق سے باخبر کر دینا چاہیے تاکہ قاضی کو اس کے ذاتی کردار کے متعلق فیصلہ کرنے اور شہادت کو قابلِ اعتبار ماننے یا نہ ماننے کے بارے میں واضح نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی رہے -

بعض کہتے ہیں کہ اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے ساقط الاعتبار رہے، کیونکہ اس کی مسلسل کذب بیانیوں غلط کرداریوں اور فسق و فجور نے اس کا مستقبل ناقابلِ اعتبار بنا دیا ہے : امام ابو یوسف فرماتے ہیں جب تک وہ توبہ نہ کرے اور توبہ کے نتائج و آثار اس کے عمل و حرکت سے ظاہر نہ ہو جائیں۔ یعنی وہ اپنی زندگی کی گاڑی کو صحیح سمت پر نہ ڈال دے، اس کی شہادت ہرگز قبول نہ کی جائے۔ فقیہ ابو جعفر کا فرمان ہے، توبہ کے بعد شہادت قابلِ اعتبار ہوگی ۔ [1]

اِس مسئلہ پر مزید بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں، کبائر کا ارتکاب انسان کی عدالت کو زائل کر دیتا ہے اور شہادت کو ناقابلِ قبول بنا دیتا ہے، لیکن صغائر میں یہ بات نہیں۔ صغائر کے مرتکب کی

---

[1] ورق ۲۲۳

شہادت قابلِ قبول ہوگی۔[1]

اچھائیوں کا پلڑا بُرائیوں سے بھاری ہونا چاہیے

مصنف اس سلسلے میں آگے چل کر فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے کہتے ہیں۔ اگر کسی شخص کی اچھائیوں کا پلڑا، بُرائیوں سے بھاری ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کی معاشرت اور میل جول کا انداز بہتر ہو اور اس کی بعض کمزوریوں کے باوجود لوگ مجلسی طور پر اس کی عزت کرتے ہوں، دیکھنے میں وجاہت وحشمت کا مالک ہو اور روزمرہ کے معاملات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بات کو وزن دیتے ہوں اس کی شہادت قابلِ قبول ہوگی، کیونکہ کسی شخص کا دامن بھی گناہوں سے پاک نہیں اور کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں۔[2]

مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ معمولی لغزشوں سے شہادت کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا، بہت لوگ غلطیاں کرتے ہیں۔ اگر غلطی کا وزن نیکی سے کم ہو تو شہادت مجروح نہیں ہوگی اور عدالت میں اس کی بات مانی جائے گی۔ المحیط کے حوالے سے مصنف مشہور محدث وفقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا اس باب میں قول نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

من غلب حسناتہ علی سیّآتہ قبلت شہادتہ[3]

جس کی نیکیاں اس کی بُرائیوں پر غالب ہوں، اس کی شہادت قبول کی جائے گی

گواہ کے اوصاف

فقہا نے شہادت کے سلسلے میں اس امر کو بھی ہدفِ بحث ٹھہرایا ہے کہ گواہ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر شہادت کا تعلق کسی خاص شرعی مسئلہ سے ہو تو گواہ ایسا ہونا چاہیے جو بہترین اوصاف کا مالک ہو۔ مثلاً سود خواری سے مطعون نہ ہو اور مالِ مغصوبہ پر قابض نہ ہو۔ اسی طرح ضروری ہے کہ اس کا دامن فحش و بدکاری سے منزّہ ہو اور اس کی زندگی بے داغ ہو۔ اس سلسلے میں فقہا نے امام ابراہیم نخعی کا ایک قول نقل کیا ہے، جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ صادق اور عادل گواہ وہ ہوتا ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] ورق ۲۲۳ [2] ورق ۲۲۵ [3] ایضاً

الشاهد من المسلمين من لم يطعن عليه في بطن او فرج [1]

اس مختصر قول نے گواہ کے اخلاق و عادات کے تمام اوصاف کو گھیر لیا ہے۔ اس قول کا مفاد یہ ہے کہ اصل مسلمان گواہ وہ ہے جس پر نہ بدکاری کا طعن ہو اور نہ اکلِ حرام و سود خواری وغیرہ کا الزام — شبعی کہتے ہیں

العدل من لا يعلم فيه جريمة في دينه [2]

یعنی عادل اور صحیح گواہ وہ ہے، جس کے دین میں کوئی جھول نہ ہو۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ دینی اور شرعی اعتبار سے صاف ستھرے خیالات کا حامل ہو اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو۔

درحقیقت فقہا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی معاملہ میں شہادت دینا کوئی معمولی بات نہیں، یہ بہت اہمیت کی چیز ہے۔ اور گواہ جب گواہی کے لیے عدالت میں پیش ہوتا ہے تو اس پر بڑی اخلاقی ذمہ داریاں آپڑتی ہیں جن کو نباہنا ضروری ہے۔ اس نازک موقع پر گواہ کی اپنی زندگی، اس کی معاشرتی سرگرمیاں اور اللہ اور اس کے رسول سے اس کے تعلق کی نوعیت لازماً سامنے آنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ گواہ کن اوصاف کا حامل ہے۔ اس ضمن میں اس کے نماز روزہ کا مسئلہ بھی سامنے آئے گا۔ چنانچہ مصنف فتاویٰ نے فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ تارکِ صلوٰۃ کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ فتاویٰ خانیہ میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص فرائض کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر کر دیتا ہے، یا صوم و صلوٰۃ کا تارک ہے یا اس میں سستی اور کاہلی برتتا ہے، اس کی شہادت مسترد کر دی جائے گی اور اس کی عدالت کا معاملہ باطل قرار پائے گا۔

ہدایہ میں اس سے اختلاف کیا گیا ہے، مصنفِ فتاویٰ حمادیہ، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں قاضی کو اس قسم کے شخص کی شہادت قبول نہیں کرنی چاہیے اور اگر قبول کرے گا تو شہادت جائز قرار پائے گی۔ الفاظ یہ ہیں۔

لا ينبغي ان يقبل القاضي شهادته ولو قبل جاز عندنا [3]

---

[1] ورق ۲۲۵ [2] ایضاً [3] ورق ۲۲۶

قاضی اس قسم کے شخص کی شہادت قبول نہ کرے۔ اور اگر قبول کرے تو ہمارے نزدیک یہ شہادت جائز ہوگی۔

اس مسئلے پر الکافی میں بھی بحث کی گئی ہے مصنف اس کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ بہتر یہ ہے قاضی فاسق کی شہادت کی بنا پر فیصلہ نہ کرے اور اگر کر دے تو فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ الکافی کے الفاظ جو فتاوٰی حمادیہ میں مرقوم ہیں، یہ ہیں۔

الاولی ان لایقضی القاضی بشهادة الفاسق ولو قضی نفذ قضاءه [1]

شہادت کے بارے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔ اگر فاسق گواہ، وہی شہادت دے جو اس سے پہلے گواہ نے دی تو شہادت قبول کی جائے گی۔ وعلیہ الفتوٰی (فتوٰی اسی پر ہے)۔

فتاوٰی میں اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص عمداً اور بلا وجہ اور بلا عذر جمعہ ترک کر دے، اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

اہلِ بدعت کی شہادت

شہادت اور گواہی کے سلسلے میں مصنف نے بہت تفصیلات بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

ایک شخص نے اسلام تو قبول کر لیا ہے مگر وہ قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا، اس کی شہادت جائز اور قابلِ اعتماد ہوگی۔ ـــ مصنف مزید لکھتے ہیں۔ اہلِ ہوی اور اہلِ بدعت کی شہادت قبول کی جائے گی [2]

دشمن کی شہادت دشمن کے خلاف

اس سلسلے میں مصنف نے اس بات کو بھی موضوعِ بحث ٹھہرایا ہے کہ ایک شخص اگر کسی کا مخالف ہو تو اس کی شہادت مخالف کے خلاف کوئی وزن رکھتی ہے یا نہیں ؟ مصنف لکھتے ہیں۔

ولایجوز شهادة الرجل علی الرجل اذا کان بینهما عداوة یعنی العداوة من امور الدنیا۔ اما اذا کان فی شئ من امور الدین تقبل۔ [3]

---

[1] ایضاً [2] ایضاً [3] ورق ۲۲۹

یعنی جو شخص دینوی معاملات میں کسی سے عداوت رکھتا ہو، اس کے خلاف اس کی شہادت جائز متصور نہ ہوگی۔ لیکن اگر دونوں کے درمیان مخالفت یا عداوت کا تعلق امورِ دین سے ہو تو شہادت قبول کی جائے گی۔

اس مسئلے سے متعلق مصنف نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا تقبل شهادة العدو على عدوه لانه متهم [1]

دشمن کی شہادت دشمن کے خلاف قبول نہ کی جائے گی، اس لیے کہ وہ دشمنی کے اتہام سے ملوث ہے۔

یہاں مصنف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

قال ابو حنيفة تقبل اذا كان عدلا

گواہ عادل و صادق ہو تو شہادت قبول کی جائے گی

مصنف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کی ہے، لکھتے ہیں۔

قال استاذنا رضی الله عنه وهو الصحيح وعليه الاعتماد وان كان بينهما عداوة بسبب الدنيا

ہمارے استاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہی (امام ابو حنیفہ رح کا) قول ہی صحیح اور لائق اعتماد ہے۔ اگر گواہ عادل ہے، شہادت قبول کی جائے گی، اگرچہ دونوں کے درمیان عداوت کا باعث دینوی معاملات ہی ہوں۔

دروغ گو اور جھگڑالو گواہ

مصنف نے شہادت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ جو کذب بیانی اور دروغ گوئی میں مشہور ہو، اس کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔[2] ساتھ ہی لکھتے ہیں زیادہ جھگڑالو کی شہادت بھی مسترد کر دی جائے گی۔[3]

---

[1] ایضاً [2] ورق ۲۳۰ [3] ایضاً

اگر پہلے خلاف شہادت دے چکا ہو

جو شخص کسی مقدمہ میں کسی کے خلاف شہادت دے چکا ہو، وہ دوسری مرتبہ اس کے خلاف شہادت دے گا تو یہ شہادت ناقابلِ اعتنا ہو گی، کیونکہ وہ پہلے سے اس کی مخالفت کے اتہام سے متہم ہے [۱]

خادم، اجیر، قانع اور ملازم کی شہادت

شرح ہدایہ کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں۔

لاشہادۃ للقانع

یعنی جو شخص کسی پر کلیۃً انحصار رکھتا ہو، اس کے حق میں اس کی شہادت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

مصنف اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں، "قانع" سے مراد وہ شخص ہے، جو کسی خاص شخص یا قبیلے یا قوم کے ساتھ خادم یا کامل وفا شعار یا اجیر و ملازم کی حیثیت سے وابستہ ہو، کیونکہ اس کی حیثیت اس کے سائل کی سی ہے اور ظاہر ہے سائل کا کردار مشکوک ہو گا — علاوہ ازیں اس شخص کی شہادت بھی ناقابل اہمیت ہے، جس کی ضروریات کا انحصار اسی کے گھر پر ہو اور وہی اس کے اخراجات کا کفیل ہو۔ لفظ یہ ہیں۔

لاشہادۃ للقانع باہل البیت۔ [۲]

شہادت اور شخصیت

شہادت سے متعلق فقہا نے اس چیز کو بھی مدار بحث ٹھہرایا ہے کہ اس باب میں گواہ کی اپنی شخصیت، اس کی ظاہری وجاہت اور لوگوں سے معاشرتی تعلقات بھی اپنے اندر خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ فرض کیجیے ایک بھاری بھرکم اور وجیہہ و بارعب شخص کبھی کبھار شغل لے کر لیتا ہے اور اس کے بعد نادم بھی ہوتا ہے، تو اس کی شہادت قابلِ قبول ہو گی، کیونکہ کسی اونچی اور ایک خاص حلقہ میں مجموعی اعتبار سے اچھی شہرت کی شخصیت سے غلط بیانی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ [۳]

مختار نامہ

مصنفِ فتاویٰ نے کتاب الوکالۃ میں اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنا وکیل یا مختار

۱۔ ایضاً ۲۔ ایضاً ۳۔ ورق ۲۲۵

مقرر کرسکتا ہے یا نہیں ؟ اور اگر مقرر کرسکتا ہے تو اس کے کیا اختیارات ہوں گے ؟

مصنف لکھتے ہیں مختار یا وکیل کا اصل کام حفاظت ہے، اس کو جس چیز کا مختار نامہ دیا جائے گا وہ اس کے تحفظ کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کے بارے میں یہ کہے کہ یہ شخص ہر معاملہ میں میرا مختار ہے، تو وہ فی الواقع وکیل یا مختار ہوگا، لیکن اس کے اختیارات مالی معاملات تک محدود ہوں گے۔ وہ اس کے اموال و اسباب کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا اور بیع و شرا، قرض کی ادائیگی، ہبہ، صدقہ جیسے معاملات انجام دینے میں مختار ہوگا اور ان میں تصرف کا حق دار ہوگا۔

لانہ فوض التصرف الیہ عاما لہ

اس لیے کہ اس نے عام امور میں تصرف کے اختیارات اس کو تفویض کر دیے ہیں

بعض فقہا کے نزدیک اس تعمیم کے حدود اتنے وسیع ہیں کہ نکاح، طلاق، اعتاق، وقف اور عقد بھی اس میں شامل ہیں۔ بعض کہتے ہیں، نہیں، اس سے مراد فقط تصرف مالی ہے۔ اس سے آگے مختارِ عام کسی صورت میں قدم نہیں بڑھا سکتا ــــ اور یہی نقطۂ نظر زیادہ صحیح اور قرینِ عقل ہے۔

مختار نامہ کے بارے میں مصنف نے خاصی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں مختار نامہ واضح الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے اور جس کو مختار مقرر کیا جائے گا، وہ انہی اختیارات کا حامل ہوگا، جو مختار نامہ میں مذکور ہیں ـــــ مصنف نے کتاب الوکالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مختار نامہ منسوخ بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کی تنسیخ کا اعلان جب کوئی فریق چاہے ہو سکتا ہے۔

وکالت

کتاب الوکالہ میں مصنف نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ کوئی شخص قاضی کی عدالت میں بہتر طور سے اپنا مقدمہ و مدعا کسی وجہ سے پیش نہ کر سکتا ہو تو وہ کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کر سکتا ہے جو مدعا اسلوب سے قاضی کے سامنے اس کا مدعا بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور مقدمہ کے ضروری اور بنیادی نقاط وضاحت اور صراحت سے قاضی کے ذہن نشین کرانے کی قابلیت سے بہرہ ور ہو۔

۱؎ ص ۲۲۶ ق

مصنف مزید لکھتے ہیں، موکل کو چاہیئے کہ قاضی کو اس بات سے باخبر کرے کہ فلاں مقدمہ میں فلاں شخص میرا وکیل ہے اور میں اس پر اس مقدمہ کے باب میں اعتماد کرتا ہوں۔ مصنف کہتے ہیں، موکل اگر چاہے تو وکیل کو اپنے مقدمہ میں وکالت کے فرائض انجام دینے سے سبکدوش بھی کرسکتا ہے۔

وکیل کا فرض ہے کہ کامل دیانت اور محنت سے کام کرے اور قاضی کو اس نہج سے بات سمجھانے کی سعی کرے، جس کو موکل بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہو۔ وکیل کی ذمہ داری نہایت اہم ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا وکیل کا فرض ہے۔[1]

وکالت کے سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں کہ وکیل اور موکل کی باہمی رضامندی بنیادی شئی ہے۔ وکالت وہی شخص کرسکتا ہے، جس پر اس کا موکل خوش ہو۔ موکل کے اختیار و رضا کے سوا، وکیل وکالت کرنے کا مجاز نہیں۔

ساتھ ہی لکھتے ہیں، موکل جس شخص کو وکیل مقرر کرے، قاضی کو چاہیے اس کی وکالت تسلیم کرے اور اسے نمائندگی اور وکالت کی اجازت دے۔ اور مقدمے کے سلسلے میں اس سے تعاون کرے۔[2]

فتاویٰ حمادیہ، فقہ کے ان تمام مسائل کو محیط ہے، جو انسان کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔ یہ فتاویٰ اپنے وقت کی بہترین فقہی تصنیف ہے اور اس کے مضامین و شمولات لائق مطالعہ ہیں۔

مسلمانوں کے سیاسی افکار

(پروفیسر رشید احمد)

مسلمان مفکروں نے سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں بہت اہم ابواب کا اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان مفکروں اور مدبروں کے سیاسی نظریات پیش کیے گئے۔ یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قرآنی نظریۂ مملکت کی بخوبی وضاحت کی گئی ہے۔ جو ان سب مسلمان مفکروں کے نظریوں کی اساس ہے۔ یہ کتاب بی۔ اے کے نصاب میں داخل ہے۔ قیمت ۶/۵۰

ملنے کا پتہ :- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

---

[1] ورق ۲۴۶ [2] ورق ۲۴۷